شعرِ اقبال کا ایک اہم استعارہ ”دل“

ڈاکٹر شفیق انجم
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو،
نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

Abstract:

An Important Symbol of Iqbal's Poetry: 'Dil' [The Heart]

The philosophical Interpretation of heart (Dil) is very important in the poetic constructions of Iqbal. This symbol shows the specific thinking of Iqbal regarding Human Self. In 'Baang e Dara', Iqbal tried to reshape the existing constructions of this Metaphor and set the basics of its new shape. Later he selected this metaphor to explain the possibilities of Muslims Renaissance. In the poetic constructions of 'Baal e Jibreel', iqbal introduced some new compositions of Dil like 'Dil e zinda', 'Dil e bedaar', Dil e beena and 'Dil e fitrat shanas'. These compositions have their unique and thoughtful perspectives. In this article it is tried to discuss the actual context of Dil and related compositions in reference with Iqbal's .Poetry

علامہ اقبال کی شعری تشکیلیں، لفظوں کے نئے استعمالات اور قدیمی استعاروں کے تازہ اور ہنر مندانہ اظہارات کا ایک حیرت انگیز حوالہ ہیں۔ ان تشکیلوں میں لفظوں کا ثقافتی تناظر بھی بدلا گیا ہے اور روایت کے عطا کردہ وہ مفاہیم بھی جو صدیوں کی تکرار سے ایک طے شدہ صورت اختیار

کر چکے تھے۔یوں تو ہر ادب پارہ لسانی اعتبار سے ایک پیچیدہ اور تہہ در تہہ لسانی نشانات کا حامل ہوتا ہے لیکن علامہ اقبال کی شعری تشکیلیں اپنے نئے سیاق اور بُنت کی بدولت کہیں زیادہ تہہ دار، پیچیدہ اور متنوع ہیں۔ان کی شاعری کی لسانی جہتیں اکہری نہیں، مرکب اور پہلودار ہیں۔اور چونکہ یہاں روایت کے متعینہ و مروجہ لسانی پیکر اور ان پیکروں کے ثقافت کے عطا کردہ مخصوص و معین مفاہیم یکسر اپنا قالب بدل لیتے ہیں اس لیے شعرِ اقبال کی قرأت، تفہیم اور تجزیہ بھی روایتی معیارات کی روشنی میں نہیں کیا جاسکتا۔سید عابد علی عابد کے خیال میں:

"اقبال ان شعرا میں سے ہیں جو نہ صرف اپنے کلام کی ادبی خوبیوں کی وجہ سے جاذبِ توجہ ہوتے ہیں بلکہ اپنے مطالب و معانی کے اعتبار سے بھی تحقیقی مطالعے کا موضوع بنتے ہیں۔ان کے یہاں یہ بات بھی ہے کہ انھوں نے تغزل اور تصوف کے ذخیرۂ علامات و مصطلحات میں سے اکثر الفاظ و تراکیب کو اپنے معانیِ قدیم سے جدا کرکے گویا بہ جبر و قہر سینہء الفاظ میں ایک روح نَو پھونکی۔"[۱]

سینہء الفاظ میں یہ نئی روح پھونکنا روایت سے ہنر مندانہ بغاوت کے بغیر ممکن نہیں ہو پاتا۔موضوعِ زیرِ بحث کے ضمن میں شاعری کی ارتقائی تسلسل پر نظر کی جائے تو ذات اور ناذات، ذات اور سماج، اور ذات اور کائنات کے درمیان رشتوں کے گہرے تعلق کے اظہار کے لیے "دل" کے استعارے کو بہ تکرار استعمال میں لایا جاتا رہا ہے۔دل کی بائیولاجیکل تفہیمات میں یہ محض ایک لوتھڑا ہے جو ایک توازن کے ساتھ دھڑکتا ہے، آہستہ یا تیز دھڑکتا ہے یا نہیں دھڑکتا۔لیکن اس کی شعری توجیہات متنوع اور رنگارنگ ہیں۔یہاں دل چاہتا ہے، ٹوٹتا ہے، اداس و بے قرار ہوتا ہے، روتا اور جل کر خاکستر ہوتا اور اسی طرح کی بہت سی دیگر توجیہات۔ان شعری توجیہات پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ دراصل دل کی ثقافتی توجیہات ہیں اور دنیا کی کم و بیش ہر ثقافت میں ایک مخصوص صورتحال کے تحت وجود میں آتی اور وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔اردو شاعری کی روایت دل کی ان ثقافتی توجیہات سے بھری پڑی ہے اور یہ سلسلہ آج بھی اسی شدومد سے جاری ہے۔

دل کے حوالے سے علامہ اقبال کی شعری تشکیلوں کا جائزہ لیا جائے تو یہاں بھی سینکڑوں مقامات پر اس استعارے سے مدد لی گئی ہے۔لیکن شروع سے آخر تک کلامِ اقبال میں ایک بھی مقام ایسا نہیں جہاں اس استعارے کی روایتی ثقافتی و شعری توجیہات سے جڑنے کی کوشش کی گئی ہو۔'بانگِ درا' کی شاعری، جس میں عام طور پر روایت کے اثر کا زیادہ ذکر کیا جاتا ہے، میں بھی جہاں

جہاں دل کو بہ طور ایک شعری علامت کے طور پر استعمال میں لایا گیا، وہاں وہاں ایک ایسے سیاق کی بُنت بھی یقینی بنائی گئی ہے کہ شعر مجموعی تشکیل کے اعتبار سے مروج ثقافتی توجیہہ سے جڑنے نہ پائے۔ مثلاً یہاں دل بجھنا، دل دیوانہ ہونا، دل کھِلنا، دل کا ٹوٹنا، رونا اور تڑپنا، دل کا صنم آشنا ہونا وغیرہ ایسی توجیہیں تو موجود ہیں لیکن ان کا سیاق ایک بالکل مختلف تناظر خلق کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یہاں دل اپنے آپ کو متعارف کراتے ہوئے کہتا ہے :"کس بلندی پہ ہے مقام میرا / عرش رب جلیل کا ہوں میں"۔

'بانگِ درا' کی شعری تشکیلوں پر غور کرنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ علامہ اقبال نے شعوری طور پر دل کی مروج ثقافتی توجیہات سے انحراف برتتے ہوئے ایسی توجیہات پیش کرنے کو اہم سمجھا ہے جن کا دائرۂ اثر کسی مخصوص ثقافت یا ثقافتوں کی حدود سے کہیں آگے ہے۔ اس مجموعے سے چند اشعار بطور مثال ملاحظہ ہوں:

ظاہر کی آنکھ سے نہ تماشا کرے کوئی
ہو دیکھنا تو دیدۂ دل وا کرے کوئی

راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

آنکھ کو بیدار کر دے وعدۂ دیدار سے
زندہ کر دے دل کو سوزِ جوہرِ گفتار سے

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

باطن کے جلوؤں تک رسائی کا وسیلہ دیدۂ دل، جلوۂ تقدیر کا اظہار۔۔ دل، سوزِ جوہرِ گفتار سے زندہ ہوتا۔۔ دل، اور پھر دلِ مسلم کہ جسے دعا کا مستحق سمجھا گیا ہے۔

گویا اقبال کے ہاں آغاز ہی سے دل اور اس کی توجیہات عام ثقافتی و شعری روایت کی تکرار نہیں، بلکہ منفرد و ممتاز ہیں۔ یہ انفرادیت 'بال جبریل' اور بعد کے شعری مجموعوں میں نمایاں تر ہوتی نظر آتی ہے۔ یہاں دل کے حوالے سے ترکیب سازی کا عمل ایک نئی صورت اختیار کرتا ہے اور دلِ بیدار، دلِ زندہ، دلِ بینا اور دل فطرت شناس جیسی ترکیبوں کے ذریعے بہت سی موثر شعری تشکیلوں اور وسیع تر توجیہات کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ یہ توجیہات اقبال نے مروج ثقافتی و شعری

توجیہات کے مقابل اختیار کی ہیں۔ یہاں روایت کے تسلسل سے محض گریز ہی نہیں برتا گیا بلکہ توڑا گیا ہے۔ یہ تخریب، شعری تجدد اور تجربہ پسندی کی دین نہیں بلکہ اسے مفکر اقبال کا فکری تقاضا کہا جائے تو مناسب ہو گا۔ اقبال کے فکری نظام اس استعارے سے بہ طور خاص نسبت رکھتا ہے۔ خودی، عشق اور مرد مومن کے اوصاف کا جملہ پھیلاؤ اس اصل کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ دل، ایک متحرک و مسلسل زندگی کا استعارہ ہے۔ زندگی، جس میں جذبہ و عمل باہم شیر و شکر ہوتے، تخلیق و دریافت کے نئے زاویے تراشتے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان نے اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

"اُس نے شعر کے ذریعے زندگی کی فصیح ترجمانی کی ہے اور اس کے حرکی عنصر کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے۔ یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اُس نے اپنے کلام میں زندگی کی نسبت جس قدر تشبیہیں، استعارے اور ترکیبیں استعمال کی ہیں ان کی مثال فارسی اور اردو کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔ "[۲]

دل کے حوالے سے اقبال کی نئی ترکیب سازی اور متعلقہ شعری تشکیلوں سے ابھرتی تازہ توجیہات پر غور کیا جائے تو واضح طور پر ان تہذیبی توجیہات کی طرف دھیان جاتا ہے جو مختلف آسمانی مذاہب بہ طور خاص اسلام کی عطا کردہ ہیں۔ قلب کا مرکزِ تجلیات ہونا، بصیرتوں کا قلب پر نزول، یادِ الٰہی سے قلوب کا سکون پانا، اور اس کے ساتھ قلوب کا گناہوں اور نافرمانی کی بدولت مردہ ہو جانا اور ان پر مہروں کا لگ جانا وغیرہ ایسی توجیہات کی موجودگی میں اقبال کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ دل کی مروج ثقافتی و شعری توجیہات کو اختیار کیے رکھتے۔ پس اقبال کا فکری محور جہاں ان کی تمام تر شعری تشکیلوں میں غالب نظر آتا ہے وہاں دل اور اس کی توجیہات کے حوالے سے بھی اس کی حیثیت برتر ہے۔ مسلم تہذیبی احیا کے لیے دل کو مرکز قرار دینا اور اس کے زندہ و بیدار ہونے کو شرطِ اول کے طور پر بیان کرنا، اقبال کے ملی طرزِ فکر و احساس کی دین ہے۔ پروفیسر سعد اللہ کلیم کے نزدیک دل کے اصطلاحی و علامتی پھیلاو کے پیشِ نظر اقبال نے اسے اپنے کلام دیگر علائم و رموز کے مقابلے میں زیادہ برتا ہے۔ کم و بیش ۸۵۲ مرتبہ ان کے اردو کلام میں دل کا استعارہ اپنی متنوع زرخیزی کے ساتھ سامنے آیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"صوفیا کے نزدیک کائنات بجائے خود ایک آئینہ ہے اور انسانِ کامل اس آئینے کی جلا ہے۔ انسان کے وجود میں قلب کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ قلب کی اہمیت اس بنا پر ہے کہ اس میں ذاتِ حقیقی

کے جلوے منعکس ہوتے ہیں۔ گویا قلب انسانی حسنِ مطلق کا آئینہ ہے۔ اقبال نے قلب کو اپنے مجموعی کلام میں دیگر تمام اصطلاحات و علامات سے زیادہ برتا ہے۔ اردو کلام میں قلب کا استعمال ۸۵۲ بار ہے، جب کہ فارسی کلام میں اسے ۱۳۴ بار استعمال کیا گیا ہے۔ "[۳]

یہاں ایک بار پھر "عرش ربِ جلیل کا ہوں میں" کی صدا سن لی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شعر اقبال میں دل کا استعارہ ایک شعری تشکیل سے زیادہ ایک فکری تشکیل ہے۔ اور ہر فکری تشکیل کی طرح اس استعارے کی بھی ابتدائی اور ارتقائی منزلیں ہیں۔ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم نے نظم 'عقل و دل' کا جائزہ لیتے ہوئے بجا لکھا ہے کہ: "اس نظم میں عقل کی نہ کوئی تنقیص ہے اور نہ اس کی کوتاہی اور حقیقت رسی پر وہ برہمی جو اقبال کے بعد کے کلام میں نظر آتی ہے۔ عقل و دل کے اس مکالمے میں اعتدال، صلح مندی اور توازن ہے۔ اقبال نے عقل و عشق کے موازنے اور مقابلے میں سینکڑوں اشعار لکھ ڈالے اور دل نواز نکتے پیدا کیے لیکن ان سب کا لب لباب در حقیقت وہی ہے جو اس سادہ سی نظم میں آ گیا ہے۔ "[۴] گویا دل کے باب میں اقبال کا موقف ابتدا ہی سے واضح اور شفاف ہے۔ بعد کی توضیحات اس کی معنوی پرتوں سے زیادہ اس کی اساسی حیثیت و اہمیت کو نکھارنے اور دیگر استعاروں کے ساتھ اور بعض صورتوں میں مقابل رکھ کر منفرد کرنے کی کوششیں متصور ہونی چاہییں۔ اقبال کے نزدیک دل کا محاربہ عقل کے ساتھ اور معاملہ؛ طلب، عطا اور نگاہ سے ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے دوری سے حضوری کی طرف سفر کو نمایاں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے، دوری

دوری، حضوری میں بدل جائے اور دل زندہ و بیدار ہو جائے تو بتدریج ایک نئے تسلسل کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اقبال کے ایک شعر میں یہ ارتقا اور تدریجاً نئے پن کی طرف سفر بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج
بندے کو عطا کرتے ہیں چشم نگراں اور

بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو اقبال کے ہاں احساسِ ذات اور شعورِ خودی کی پہلی منزل دل ہے اور کمالِ ذات اور بقائے خودی کا منزل بہ منزل رفیق بھی دل۔۔ لیکن ہر دل نہیں۔ فقط دلِ زندہ و بیدار،

دلِ بینا، اور دلِ فطرت شناس۔ علامہ کے بہت سے اشعار اس سلسلے میں بہ طور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں لیکن درج ذیل اشعار کو بہ طور خاص توجہ سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

دلِ زندہ بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
خدا اگر دلِ فطرت شناس دے تجھ کو
سکوت لالہ و گل سے کلام پیدا کر
دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار کراری
مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری
تیری قندیل ہے ترا دل
تُو آپ ہے اپنی روشنائی

واضح ہے کہ اقبال نے مسلم تہذیبی تناظر میں دل کو حیاتِ نو اور کمالِ نو کا استعارہ بنا کر پیش کیا ہے۔ متعدد مقامات پر یہ استعارہ، تمثیل میں ڈھل جاتا ہے اور اس سطح پر حرکت و عمل اور مکالمے کی رنگا رنگ صورتیں سامنے آتی ہیں۔ یہاں عقل، عشق، نگاہ، دید، خبر اور اسی طرح کے دیگر استعاروں کے ساتھ دل کے اتصال و انقطاع کی پیش کش نہایت معنی خیز ہے۔ اس زاویے سے اقبال کے افکار کی تفہیم و تعبیر حیرت و تجسس اور امید و تمنا کے کئی در وا کرتی ہے۔ یہاں ایک صوفیانہ کشش ہے جو کھینچ لیتی ہے اور فلسفے کی گتھیوں میں الجھا ذہن، دل کی روشنی کی طلب میں سراپا استدعا بن جاتا ہے۔ مزید بر آں اقبال کے شعروں کی گہری صوفیانہ وارداتیں بھی سمجھ آنے لگتی ہیں اور دلِ فطرت شناس کی آرزو اور سکوتِ لالہ و گل سے کلام کے مفاہیم کھلنے لگتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ عابد علی عابد، سید، شعر اقبال، بزم اقبال، لاہور، ستمبر ۱۹۹۳ء، ص ۲۴۷
۲۔ یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روحِ اقبال، القمر انٹر پرائزز، لاہور، جنوری ۱۹۹۶ء، ص ۱۲۸

۳۔ سعد اللہ کلیم، پروفیسر، اقبال کے مشبہ بہ اور مستعار منہ، مشمولہ: اقبال بحیثیت شاعر، مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، مجلس ترقی ادب، لاہور، مارچ ۱۹۷۷ء، ص ۴۳۰

۴۔ خلیفہ عبد الحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزم اقبال، لاہور، جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۳

منابع

اقبال، علامہ، کلیات اقبال (اردو)، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، جون ۱۹۹۶ء

خلیفہ عبد الحکیم، ڈاکٹر، فکر اقبال، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۶ء

رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر (مرتب)، اقبال بحیثیت شاعر، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۷ء

عابد علی عابد، سید، شعر اقبال، بزم اقبال، لاہور، ستمبر ۱۹۹۳

یوسف حسین خان، ڈاکٹر، روحِ اقبال، القمر انٹرپرائزز، لاہور، جنوری ۱۹۹۶ء